ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم

ممالکِ متحدہ امریکہ میں مذہبی زندگی

راقم الحروف کو امریکہ میں دو مرتبہ وسیع خطباتی دورہ کرنا پڑا۔ اوّل مرتبہ کوئی چار سال قبل میں ایک کیتھولک یونیورسٹی (نوٹرڈیم) کی دعوت پر امریکہ گیا۔ وہاں وہ ہر سال ایک نیچرل لا کانفرنس منعقد کرتے ہیں۔ اس سے قبل وہ صرف عیسوی فرقوں کے نمائندوں کو بلاتے تھے۔ لیکن ان کے ایک وسیع الخیال ڈین (میر شعبہ) کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ عیسویت کے علاوہ دنیا میں اور بھی تو عالمی ادیان ہیں ان کے نمائندوں کو بھی مدعو کرنا چاہئے۔ اور ان سے سننا چاہئے کہ ان کے دینوں میں قانونِ فطرت کے متعلق کیا تصوّرات ہیں۔ تاکہ تفصیلی مطالعہ سے سب کو فائدہ پہنچے۔ عام طور پر ہر کیتھولک کلیسا سے وابستہ ادارے اپنے فرقے سے باہر کسی سے کچھ واسطہ رکھنا نہیں چاہتے۔ اس لئے امریکہ کے پروٹسٹنٹوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک انوکھی اور حیرت انگیز بات ہے کہ وہ ایک مسلمان کو اپنے گرجہ میں ایک دینی خطبے اور مذہبی مناظرے کے لئے دعوت دیں۔ امریکہ کی جمہوریت اور آزادیِ ضمیر و آزادیِ گفتار کا کرشمہ ہے کہ کیتھولک مذہب والے بھی دوسروں کو اپنے خرچ پر دعوت دے کر ان سے بہت کچھ ایسی باتیں سننا چاہتے ہیں، جو ان کے عقائد کے صریحاً منافی ہیں۔

ممالک متحدہ کے باشندے اور ان کے مصنفین اکثر یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم ایک مذہبی قوم ہیں اور ہماری زندگیوں میں مذہب ایک مؤثر محرک ہے۔ اہلِ مشرق تو اپنے آپ کو روحانیت کا اجارہ دار سمجھ کر تمام مغرب کو خواہ وہ یورپ ہو یا امریکہ محض مادہ پرست اور مذہب سے بیگانہ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ محض جاہلانہ تعصب کا نتیجہ ہے۔ مغرب مذہب سے بیگانہ نہیں۔ میں نے امریکہ میں جو مذہبی زندگی کے ادارے اور ان کے ماتحت خدمتِ خلق کی کوششیں دیکھیں وہ ہم جیسے مدعیانِ دین کے لئے قابلِ رشک اور قابلِ تقلید ہیں۔ بعض کلیساؤں کی عمارتیں عظمت و جمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ ہر کلیسا کے ساتھ تعلیمی ادارے وابستہ ہیں۔ عمارتیں اعلیٰ درجے کی ہیں۔ سامان [illegible] آرائش و آسائش میں کوئی کمی نہیں۔ معلّم پادری خوش پوش، اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور اور اخلاقی پاکیزگی میں تعلیم حاصل کرنے والوں اور کلیسا کی زندگی سے مستفیض ہونے والوں کے لئے اچھی مثال پیش کرتے ہیں۔ کتب خانے اچھی کتابوں سے بھرپور ہیں۔ ان تعلیم گاہوں سے جو پادری پیدا ہوتے ہیں۔ وہ دین کی حمایت اور اس کی اشاعت میں زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ جب میں ان کا مقابلہ اپنی مسجدوں اور دینی درس گاہوں سے کرتا تھا، تو حسرت و حرمان سے دل بیٹھ جاتا تھا اور ہر روز اقبال کا یہ شعر وردِ زبان رہتا تھا:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے   مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

ہماری اس راکھ میں کچھ شرارے دبے ہوئے ہوں تو ہوں، لیکن بظاہر تو ہماری دینی زندگی راکھ کا ڈھیر ہی معلوم ہوتی ہے۔

امریکہ میں مذہبی فرقے بے شمار ہیں۔ ان کی تعداد کوئی چار سو کے قریب جا پہنچتی ہے۔ ذرا ذرا سے اختلافِ عقیدہ پر ایک الگ فرقہ بن جاتا ہے۔ لیکن ہر فرقے کے پیرو اپنے عقائد، اپنے شعائر اور طریقِ عبادت میں راسخ ہوتے ہیں۔ ان سب میں جو بات مشترک ہے وہ صلاحیتِ تنظیم ہے۔ ان فرقوں میں عقائد و شعائر کے لحاظ سے اختلاف موجود ہے۔ لیکن وہ باہمی منافرت اور سرپھٹول نہیں جو ہمارے ہاں نظر آتا ہے۔ بعض یونیورسٹیوں میں دیگر ادیان کے متعلق بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن وہ عیسوی نقطۂ نظر سے ہوتی ہے اس لئے اکثر مسائل کے متعلق نگاہ غلط انداز ہوتی ہے۔ مجھے اس قسم کی کئی درس گاہوں میں جانے کا اتفاق ہوا اور میں نے ہر جگہ ان سے یہی کہا کہ اگر اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو کسی عالمِ دین مسلمان کو بھی اپنے اسٹاف میں رکھو۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان عیسوی اداروں کے لئے ایسے مسلمان کہاں سے ملیں گے جو اپنے دین کے علاوہ مغرب کی تہذیب و تمدن سے بھی کماحقہٗ آگاہی رکھتے ہوں۔ تاکہ یقین اور طریقے سے کوئی معقول بات کر سکیں۔

مسلمان ممالک متحدہ امریکہ میں جابجا منتشر ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد کوئی ایک لاکھ کے قریب اندازہ کی جاتی ہے۔ کہیں کہیں اُنہوں نے مسجدیں بھی تعمیر کی ہیں لیکن ان مسجدوں کا یہ حال ہے کہ :-

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

کسی مسجد کے لئے کوئی کام کا امام نہیں ملتا۔ جو نماز پڑھانے کے علاوہ مسلمانوں کے بچّوں کو اسلام کی کچھ تعلیم بھی دے سکے۔ مجھے اس قسم کی دو مسجدیں دیکھنے کا اتفاق ہؤا۔ ایک کیلیفورنیا کے دارالسلطنت سیکرامنٹو میں اور ایک سیڈار ریپڈز میں جو شکاگو سے کچھ فاصلے پر ایک تھوڑی آبادی کا شہر ہے۔ سیکرامنٹو کی مسجد ایک دو منزلہ عمارت ہے۔ کبھی کوئی اسلامی دنیا سے معزز سیاح وہاں جا پہنچتا ہے تو وہاں خورد و نوش اور جلسہ اور تقریر کے لئے مسلمان جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر کچھ نہیں۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہؤا کہ ایک انجمن بنائی تھی۔ لیکن شخصی کشاکش کی وجہ سے وہ کچھ کام نہ کر سکی۔ پنجاب اور سرحدی علاقوں سے گئے ہوئے بہت سے مسلمان اس نواح میں رہتے ہیں۔ لیکن ذات پات کے جھگڑوں کی وجہ سے کوئی معقول کام نہیں کر سکتے۔ اور نہ کسی تنظیم میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ راجپوتوں، ارائیوں اور چھاچھیوں وغیرہ میں جاہلانہ قبائلی تعصب موجود ہے۔ ہر گروہ اپنی ذات والے کو سکرٹری یا صدر بنانا چاہتا ہے۔ اگر کسی ایک ذات والے کے سپرد کوئی عہدہ ہو جائے، تو اس کو دوسروں کا تعاون حاصل نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خود بھی اسلام سے بے تعلق ہوتے جاتے ہیں۔ اور ان کی اولاد کلمہ تک نہیں پڑھ سکتی۔ کچھ ایسے مسلمان زمیندار وہاں ملے جنہوں نے

ق

میکسیکو کی کیتھولک عورتوں سے شادی کر لی تھی۔ ان کی اولاد کو اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ شادی کے معاملے میں جس سے چاہیں گے شادی کر لیں گے۔ اور کسی مسلمان سے شادی کرنے کا احتمال ایک فی صدی بھی نظر نہیں آتا۔ میں نے ایک شہر میں وائی ایم سی۔ اے میں اصولِ اسلام پر ایک لیکچر دیا۔ لیکچر کے بعد ایک نوجوان حسین لڑکی، نہایت سرخ و سفید، نیلی آنکھوں والی مجھ سے پوچھنے لگی کہ کیا ایک مسلمان لڑکی کسی عیسائی مرد سے شادی کر سکتی ہے۔ وہ شکل و صورت میں اس قدر نورڈک یورپین دکھائی دیتی تھی کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا کہ یہ مسلمان ہو سکتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم پروٹسٹنٹ ہو یا کیتھولک۔ اس نے کہا میں تو یوگوسلاویا کی مسلمان لڑکی ہوں۔ ہمارا خاندان ہجرت کر کے امریکہ آگیا ہے۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی۔ لیکن اس کے اس سوال پر افسوس بھی ہوا کہ وہ کسی عیسائی سے شادی کرنے کا جواز طلب کر رہی ہے۔ اس کا نام غالباً صفیہ تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ دیکھو تم ہماری بیٹی ہو کسی مسلمان ہی سے شادی کرنا۔ اس نے کہا کہ مسلمان یہاں بہت تھوڑے ہیں اور تمام ملک میں منتشر ہیں۔ ان کی کوئی منظم جماعت نہیں۔ شادی کے لئے میدانِ انتخاب کہاں سے میسر آئے۔ میں اپنی قوم میں تنظیم کے فقدان پر ماتم کرتا ہوا بعد حسرت و یاس وہاں سے چل دیا۔ ممالکِ متحدہ اور کینیڈا میں مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے شادی ہی نہیں کی۔ ان میں سے جو عمر رسیدہ ہیں وہ جلدی جلدی مرتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا نام و نشان چھوڑے بغیر کالعدم ہو جائیں گے۔

سب سے زیادہ عظیم الشان مسجد واشنگٹن میں بنائی گئی ہے۔ جو تمام اسلامی مملکتوں کے چندے سے بنی ہے۔ اس کو اسلامک سنٹر کہتے ہیں۔ حال ہی میں میں نے جب اس کو دیکھا۔ تو ابھی اس کی تکمیل میں کچھ آرائش کا کام باقی تھا۔ مسجد کے اندرونی حصے کی آرائش ترکی حکومت نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ اس سنٹر پر غالباً ایک ملین ڈالر سے زیادہ خرچ ہو چکا ہے۔ لیکن یہاں بھی نہ باقاعدہ نماز کا انتظام ہے اور نہ اسلام کے متعلق تعلیم و تلقین و تبلیغ کا کوئی ادارہ ہے۔ بس ایک بے روح خوبصورت جسم ہے۔ تعجب ہے کہ امریکہ میں رہتے ہوئے بھی مسلمان، عیسائیوں کے دینی اداروں سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔ کہ وہاں کس قدر اعلیٰ درجے کی تنظیم اور تعلیم کا انتظام ہے نہ کوئی صحیح جذبۂ دین ہے جو عمل کی صورت اختیار کر سکے۔ اور نہ ہی کوئی معقول انسان ان مسجدوں کو ملتا ہے۔

سیڈار ریپڈز میں کوئی بیس پچیس عرب خاندان آباد ہیں۔ ان میں سے اکثر خوش حال ہیں۔ ان کی تجارت کو بھی فروغ حاصل ہے اور ان کے مکانات بھی امیرانہ ہیں۔ ان لوگوں نے بھی عرصہ ہوا کہ دینی جذبے سے ایک مسجد تعمیر کر لی تھی لیکن وہاں بھی یہی مشکل تھی۔ کہتے تھے کہ اس مسجد کی امامت اور ہمارے بچوں کو اسلامی تعلیم دینے کے لئے کوئی معقول مسلمان نہیں ملتا۔ امام اور معلم ایسا ہونا چاہیئے جو عربی زبان اور اسلام سے بخوبی آگاہ ہونے کے علاوہ انگریزی بھی اچھی جانتا ہو۔ کیونکہ اس ملک میں ہمارے بچوں کی زبان انگریزی ہو گئی ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص نہ

توہماری آیندہ نسل اسلام سے بے بہرہ ہوکر امریکہ کی عام غیر اسلامی زندگی میں گم ہوجائے گی۔ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے جو تمام دُنیا میں تبلیغ کے لئے عیسائیوں کی طرح مشنری بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں مسلمانوں کو جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ فرقہ عام مسلمانوں سے الگ ہوگیا ہے اور اس کے بعض پیرو دوسرے مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے، تو وہ اس فرقے کے مبلّغوں سے گھبراتے ہیں۔ اور اپنی مسجدوں اور اپنے بچّوں کو ان کے حوالے کرنا نہیں چاہتے۔ اس فرقے کے علاوہ مسلمانوں کے دیگر علماء اور ملّا فرقہ داری مناقشوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ یا اپنی ذاتی اغراض کے احاطے سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ تمام عالم اسلامی میں سے دس بیس اہلِ دل بھی ایسے نہیں مل سکتے۔ جو امریکہ میں جاکر اسلام کا کام کرسکیں۔ ملّا جدید تعلیم سے عاری ہے۔ اور ہمارے مغرب زدہ تعلیم یافتہ لوگ نہ مسجدوں کی امامت پر آمادہ ہیں اور نہ تبلیغ و تعلیم کا کام کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے اپنے لیکچروں کے دوران میں یہ محسوس کیا کہ اگر اسلام کے متعلق صحیح معلومات معقول انداز میں امریکنوں کے سامنے پیش کئے جائیں تو وہ غور سے سنتے اور متاثر ہوتے ہیں۔ میں نے کنساس یونیورسٹی میں نظریۂ اسلام پر ایک لیکچر دیا۔ لیکچر کے بعد اس جامعہ کے صدر ڈاکٹر مرفی نے کوئی دو گھنٹے تک مجھ سے تبادلۂ خیال کیا اور کہا کہ دین کا جو تصوّر تم نے پیش کیا ہے، اگر وہ ہمارے ہاں موجود ہوتا تو ہم اندرونی کشاکش سے بچ جاتے۔ ہم دینیات کی کتابوں میں نہایت ناقابلِ فہم و یقین عقاید کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ یہ ایمان بالغیب کا معاملہ ہے، ان عقائد کو بے دلیل اور بے چون و چرا قبول کرلیا جائے۔ اور باقی تمام یونیورسٹی میں جو علوم و فنون کی تعلیم ہوتی ہے اس میں ہم بڑی شدّت سے اس اصول کو ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ بغیر ثبوت کے کسی بات کو تسلیم نہ کیا جائے۔ بقول علامہ اقبال علم کی ترقی اسی طرح ہوتی ہے کہ :-

یقیں کم کن گرفتارِ شکے باش

اس ذہنی کشاکش نے ہماری ذہنی اور روحانی زندگی کو میدانِ کارزار بنا دیا ہے۔ باطن میں کوئی توازن قائم نہیں ہوسکتا۔ ایک پروفیسر نے مجھ سے کہا کہ عیسائیت کے بعض فرقوں میں باہمی اختلاف اسلام اور عیسائیت کے باہمی فرق کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ شمارۂ آیندہ میں انشاء اللہ میں بعض امریکی عیسوی فرقوں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بتاؤں گا کہ کتنے اسلامی عقائد ان مختلف فرقوں میں جستہ جستہ پائے جاتے ہیں۔

امریکہ میں دستوری اور قانونی جمہوریت و مساوات کے باوجود حبشیوں کے ساتھ مساویانہ سلوک نہیں ہوتا۔ ممالک متحدہ کی جنوبی ریاستوں میں یہ نسلی تعصّب جنون کی حد تک پایا جاتا ہے جس سے وہاں شدید سیاسی اور معاشرتی کش مکش پیدا کر رکھی ہے۔ قریباً تمام حبشی غلاموں کو افریقہ سے لاکر جبر عیسائی بنا لیا گیا تھا۔ اب وہ حضرت مسیح کی تعلیمِ محبتِ عالمگیر کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ اس نسلی تعصّب کا عیسائیت میں کیا مقام ہے۔ کچھ حبشی ایسے

ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کو یہاں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر لایا گیا تھا تو وہ مسلمان تھے۔ پھر ان کو یہاں بجبر عیسائی بنایا گیا۔ حبشیوں کا ایک گروہ بغیر کسی بیرونی اسلامی تبلیغ کے خود اسلام کی طرف آ رہا ہے۔ اُنہوں نے اپنی ایک جماعت قائم کر لی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے انداز سے اسلام کی تبلیغ کرینگے۔ دوسرے اسلامی فرقوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو مختلف اثرات اور اپنے ذاتی مطالعہ سے مسلمان ہو گئے ہیں، اور راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ اگر اسلامی ممالک کے تعلیم یافتہ انسانوں میں اسلام کی تبلیغ کا کوئی ذوق و شوق ہو۔ اور وہ امریکہ میں آکر اس کام کے لئے زندگی وقف کرنا چاہیں۔ تو حبشی بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں سے وہاں خود مسلمانوں کی جماعت کو سنبھالا نہیں جاتا، وہ دوسروں کو کیا اسلام میں داخل کرینگے۔ جو مسلمان وہاں پہلے سے آباد ہیں ان کی اولاد اسلام سے بیگانہ ہو گئی ہے۔ یہ امر مسلمانوں کے لئے مقامِ عبرت ہے۔ زندہ قوموں سے مقابلہ کرنے کے بعد ہی اس کا پورا احساس ہوتا ہے کہ مسلمان صرف دُنیاوی امور اور مادی ترقی ہی میں پس ماندہ نہیں بلکہ دین کے معاملے میں بھی خالی دعووں کے سوا کچھ نہیں رہا۔ شاید مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ خود خدا اسلام کی حفاظت کا وعدہ کر چکا ہے اس لئے ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کس قدر لاف زنی ہے کہ

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثلِ بلالؓ حبشی رکھتے ہیں

امریکہ میں لاکھوں بلال آمادۂ اسلام موجود ہیں۔ لیکن کوئی روحِ محمدی رکھنے والا توحید آموز ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

حکمتِ رومی
مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت تین روپے

اسلام کی بنیادی حقیقتیں
مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب
قیمت ۲ روپے ۸ آنے

ملنے کا پتہ:۔ سکرٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور